© rasailojaraid.com

اور ہمارے لیے اتنی فکرمندی دیکھ کر مجھے علم الیقین، عین الیقین میں تبدیل ہوگیا کہ ہمارے نصاب میں لائی جانے والی تبدیلیوں کے پیچھے امریکی اور مغربی لابی ہی سرگرم ہے اور ہماری وزارت تعلیم آلۂ کار بن کر ان کے مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرفروشی اور جانبازی کے جذبات، حق وباطل کے معرکوں کا ذکر اور جذبہ جہاد، امریکہ اور مغرب کی نظر میں دہشت گردی ہے اور ''سب سے پہلے پاکستان'' اور ''روشن خیالی واعتدال پسندی'' کا ڈھنڈورا پیٹنے والے حکمران نظریہ پاکستان، اپنی تاریخ سے آگہی، ہندو سے نفرت اور اسلامی تعلیمات سے بھری کتابوں کو انتہاپسندی، تنگ نظری اور دہشت گردی کا سبب قرار دے رہے ہیں۔ اسی لیے مغربی آقاؤں اور ان کے جانشینوں نے تعلیمی نصاب پر حملہ کرکے اس کا ایسا حلیہ بگاڑ دیا کہ کچھ عرصہ بعد آنے والی نسلیں نہ صرف اپنی تاریخ سے نابلد ہوں گی بلکہ دین وایمان سے بھی کورے ہوں گے اور پھر ہندو، عیسائی، یہودی اور مسلمان بچے میں کوئی فرق بھی نہ ہوگا۔

نصاب میں تبدیلی اور تعلیمی بورڈ کو آغاخان فاؤنڈیشن بورڈ کے تحویل میں دینا ایک ایسے خطرناک کھیل کا حصہ ہے جس کے لیے یہودی اور اسرائیلی لابی روز اول سے ہی ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، ان کا منصوبہ یہی ہے کہ ''جب تک مسلمانوں کا نصاب تعلیم نہیں بدلا جائے گا تب تک وہ اپنی اسلامائزیشن سے باز نہیں آئیں گے اور جب تک دنیا میں اسلامائزیشن ختم نہ ہوگی تب تک دنیا میں ان کی بادشاہی اور حکمرانی قائم نہ ہوگی'' امریکی مشینری پر تو یہودیوں کا قبضہ پہلے سے ہی ہے اور وہاں کوئی حکمران یہودیوں کی مرضی کے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن مسلم ممالک میں اپنے کارندوں کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد کا آغاز وہ ابھی کر رہے ہیں۔ ۱۱ستمبر کے بعد جب سے ہم نے اپنی پالیسیاں بدلنا شروع کی ہیں اس وقت سے نظریات وعقائد کے درمیان ایک سنگین صورت جنم لے چکی ہے۔ ذہنوں میں سخت ٹکراؤ ہے ملک افراتفری کا شکار ہے اور یہ وقت کسی بھی معاشرے کے لیے خطرناک ہوتا ہے۔ ارباب اقتدار اس بات کو ضرور پیش نظر رکھیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی طرح نصاب بھی طالب علم کے حال اور مستقبل کے درمیان ایک عہد و پیمان ہوتا ہے۔

نصاب کی تبدیلی ایک ایسا نظریاتی مسئلہ ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا۔ سیکولر ذہن رکھنے والے لادین عناصر اپنے مذموم مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے کیوں کہ نظریے کی بنیاد پر وجود میں آنے والے لوگ اگر اپنے تشخص اور نظریے سے تہی دامن کرلیے جائیں تو وہ ختم ہوکر رہ جاتے ہیں۔ جب امریکہ سمیت ہر ملک اپنے نصاب بنانے میں خودمختار ہے تو پاکستان سے یہ آزادی کیوں چھین لی جاتی ہے۔ تعلیمی نصاب میں کی گئی تبدیلیوں کے اس بھیانک جرم کے مرتکبین کو انصاف کے کٹہرے میں لاکر قرار واقعی سزا دی جائے اور قومی مشاورت کے ساتھ ایک ایسا نصاب وضع کیا جائے جو ہماری اسلامی وتاریخی روایات سے ہم آہنگ ہو، ہماری تہذیبی وثقافتی اقدار کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کے ہم قدم ہو اور عصری تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ملت کے ہر فرد کے مزاج کے مطابق ہو۔ اس کے خلاف کوئی بھی متبادل نصاب قوم کے کسی فرد کو قبول نہ ہوگا اور نہ قبول ہونا چاہیے۔ ☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعاون وتعلق کا صلہ ہے تو مفتی صاحب کا یہ سودا، سودائے زیاں نہیں، تمام سودائے نفع ہے۔

حضرت شامزئی صاحب ۱۹۵۲ میں سوات کے گاؤں فاضل بیگ گڑھی میں پیدا ہوئے، اس علاقے کو ''شامزئی'' کہا جاتا ہے، انہوں نے مختلف مدارس میں ابتدائی کتابیں پڑھیں اور دورۂ حدیث ۱۹۷۱ء میں جامعہ فاروقیہ کراچی سے کیا، فراغت کے بعد جامعہ فاروقیہ ہی میں ۱۹۸۸ء تک استاذ حدیث رہے، ۱۹۸۹ میں جامعہ بنوری ٹاؤن چلے گئے اور تادم شہادت وہیں حدیث شریف کی بلند پایہ کتابیں صحیح بخاری اور سنن ترمذی پڑھاتے رہے، اس طرح تقریباً تیس سال تک انہوں نے احادیث کی کتابیں پڑھائیں، ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

سلوک وطریقت میں انہوں نے بالترتیب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا فقیر محمد اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید سے کسب فیض کیا، حضرت لدھیانوی نے انہیں خلافت عطا فرمائے تھی۔ حضرت لدھیانوی کی شہادت کے بعد انھوں نے حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہم سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور انھوں نے بھی مفتی صاحب کو خلافت کی خلعت سے نوازا۔

تعلیمی میدان میں طویل تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ان کی چند کتابیں بھی چھپی ہیں، مقدمہ مسلم پر ان کی شرح مطبوعہ ہے، امام مہدی کے ظہور پر ان کی ایک کتاب ''ظہور مہدی،، کے نام سے کئی بار چھپ چکی ہے، جس کا عربی ترجمہ بھی ہو چکا ہے، امام بخاری کے شیوخ اور اساتذہ کے تعارف پر ان کا مقالہ بھی کتابی شکل میں شائع ہوا ہے جس پر انہیں جامشورو یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی تھی، ان کی ترمذی شریف کی تقریر بھی چھپ چکی ہے لیکن اس پر تحقیقی کام نہیں ہو سکا تھا، آج کل اس پر ایک عالم دین تحقیقی کام کر رہے ہیں جو مکمل ہونے کو ہے اور ترمذی شریف حصہ اول کی یہ تقریر ان شاء اللہ تین جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آئے گی۔

چند سال قبل ان کی کسی تحریر سے بعض اہل علم کو غلط فہمی ہوئی کہ مفتی صاحب کا مسلک بعض مسائل میں علمائے دیوبند سے ہٹ کر ہے، ایک بزرگ عالم دین نے اس پر مستقل مضمون بھی لکھا، تب مفتی صاحب نے اپنے عقیدہ و مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> ''بندہ درس نظامی کی تکمیل کے بعد استاد محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم، بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ وصدر وفاق المدارس کے حکم پر جامعہ فاروقیہ کراچی میں تدریس پر مامور رہا اور عرصہ بیس سال کے قریب وہاں تدریسی خدمات سرانجام دیتا رہا اور ۱۹۸۸ء سے حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی دعوت اور حکم پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں استاد حدیث کی حیثیت سے کام شروع کیا اور تا حال شیخ الحدیث اور نگران تخصص فی الفقہ کی حیثیت سے مصروف خدمت ہوں۔ شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحبؒ اور حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خان صاحبؒ سے تلمذ کے حوالے سے نہ صرف مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم سے کوئی بات مخفی تھی اور نہ ہی حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمہ اللہ سے...... نعوذ باللہ میں نے منافقت سے کام لے کر کوئی منصب حاصل نہیں کیا، میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں اس قسم کے حربوں سے، میرے اساتذہ ومشائخ خصوصاً حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ، حضرت اقدس مولانا فقیر محمد نوراللہ مرقدہ اور حضرت اقدس حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے اقدام عالیہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مناصب اور مراتب کی محبت دل سے ایسی نکالی ہے کہ عام لوگ تو شاید اس کا تصور بھی نہ کرسکیں، اس لیے الحمدللہ نفاق نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے...... اب میں حقیقت حال کی وضاحت کرتا ہوں۔ بندہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام یا سماع موتی یا توسل وغیرہ کے مسائل میں اپنے اساتذۂ کرام حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب، شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیری رحمہم اللہ کا شاگرد ہونے کے باوجود ان کی اور ان کے استاد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی آرا کو ان کے تفردات میں سے سمجھتا ہے، بندہ کا عقیدہ ان مسائل کے متعلق ان حضرات کے برعکس وہی ہے جو جمہور علمائے دیوبند کا ہے اور عقائد علمائے دیوبند سے متعلق اکابر کی تصدیق شدہ کتاب ''المہند علی المفند'' میں درج ہے...... بندہ کے تمام عقائد وہی ہیں جو علماء دیوبند کے ہیں، بندہ حیات انبیاء کرام، توسل، سماع موتی اور اس طرح کے دیگر مسائل میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ دینؒ، مجتہدینؒ اور جمہور علماء کا مقلد اور اکابر دیوبند کے مسلک ومشرب کا پابند ہے، بندہ ہر قسم کی تفرداتی آرا سے مکمل طور پر بری ہے اور تھا اور ان مسائل میں میرا وہی عقیدہ ہے جو میرے شیخ مرشد حضرت لدھیانوی شہید نوراللہ مرقدہ کا عقیدہ تھا۔'' (البینات۔ حضرت لدھیانوی شہید نمبر، ص ۴۷، ۴۸۔ ۵۰)

انہیں مطالعہ کا جنون کی حد تک شوق تھا، اور بہت سریع المطالعہ تھے، حافظہ بھی ان کا بڑا قوی تھا، تدریس کے ابتدائی زمانہ میں چودہ پندرہ گھنٹے مطالعہ ان کے روز کا معمول تھا، جامعہ بنوری ٹاؤن منتقل ہونے کے بعد ان کی شہرت، ان کا حلقہ، ان کے تعلقات اور ان کی دوسری دینی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں، لیکن مطالعہ کا ذوق اسی طرح رہا، یہاں تک کہ مجھ جیسے لکھنے والے کی تحریریں اور کتابیں بھی وہ بہت اہتمام اور شوق سے پڑھتے۔ مجھے ان کے اس ذوق کا چونکہ علم تھا، اس لیے میں بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی نئی کتاب ان کی خدمت میں بھیجتا، پھر جب کسی مجلس میں ان سے ملاقات ہوتی تو وہ اسی مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے، حقیقت یہ ہے کہ کئی بار مضمون لکھتے ہوئے مفتی صاحب کا خیال رہتا کہ یہ ان کی نظر سے گذرے گا اور وہ اسی دل موہ لینے والی مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اس پر تبصرہ فرمائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکتوبر ۱۹۹۸ میں ''مفتی محمود اکیڈمی'' نے ''مفتی محمود بحیثیت ایک سیاسی رہنما'' کے عنوان سے ایک سیمینار مقامی ہوٹل میں منعقد کیا جس میں حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر اور حضرت مفتی شامزئی صاحب تشریف فرما تھے، جمعیت علمائے اسلام کے سیاسی رہنما بھی موجود تھے، مجھے بھی اس میں مضمون پڑھنا تھا، اس مجلس میں صحافی تصویریں لے رہے تھے، میں نے مضمون پڑھنے کے بعد ان اکابر کی موجودگی میں تصویریں اتارنے پر تنقید کی اور کہا ''حضرت اسکندر صاحب اور حضرت مفتی صاحب ہمارے اساتذہ کے درجے میں ہیں، ان کی موجودگی میں یہ تصویریں اتاری جارہی ہیں، جب کہ ہمارا فتوی یہی ہے کہ تصویریں اتارنا جائز نہیں، عام سیاسی جلسوں میں فوٹوگرافوں کو منع کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن یہ تو خاص مجلس ہے اور اس میں کیمرے کو ممنوع قرار دینا ہمارے اختیار میں ہے، نیز اس عمل پر ان اہل علم کی خاموشی کو کچھ لوگ اس کے جائز ہونے کی دلیل بھی سمجھ سکتے ہیں، اس لیے یہ سلسلہ کم از کم یہاں تو ممنوع ہونا چاہیے''۔

میں نے یقیناً ان اکابر کی موجودگی میں اپنی حدود سے تجاوز کر کے یہ بات کہی، نشست ختم ہونے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے مجھے بلایا، اسی مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ سینے سے لگایا اور فرمایا کہ ''آپ کی بات بالکل درست ہے، مجھے موقع نہیں ملا، ورنہ میں آپ کی تائید کرتا، اگلی نشست میں مجھے موقع ملا تو میں اس موضوع پر بات کروں گا''...... بعض حاضرین کے ذہن میں شاید یہ بات آئے ہوگی کہ یہ کون ہے یہاں نصیحتیں کرنے والا، لیکن مفتی صاحب کا قد بہت بلند تھا، چھوٹوں پر شفقت کرنے، انکی صحیح بات سننے، ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور انہیں آگے بڑھانے والا!

ابھی گذشتہ سال کی بات ہے میری ایک کتاب کا عربی ترجمہ برادرم مولانا ولی خان صاحب نے کیا ہے، خیال ہوا کہ اسے سعودی عرب وغیرہ کے بعض شیوخ اور اہل علم کے پاس پہنچایا جائے، میں نے مفتی صاحب کو لکھا کہ اس کتاب کی تجارتی نہیں، نظریاتی بنیاد پر طباعت کی ضرورت ہے اور اس پر چالیس پینتالیس ہزار کی لاگت آئے گی، مفتی صاحب نے وہ رقم بھیجی اور خط کے جواب میں اس قدر دعائیں لکھیں کہ انہیں اس کا کہہ کر گویا ہم نے ان پر کوئی احسان کیا۔

مفتی صاحب جگر مرحوم کا یہ شعر بکثرت لکھا کرتے تھے لیکن آہ!...... آج وہ خود بھی اس شعر کا مصداق بن گئے:

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

☆☆☆

© rasailojaraid.com